زوجہ کتابیہ کی میراث

مفتی امجد العلی

قرونِ اولیٰ، صحابہ و تابعین و مابعد کے تمام ائمہ فقہاء مجتہدین کا اس امر پر اجماع رہا ہے کہ اختلافِ دین میراث سے محرومی کا سبب ہے۔ لہٰذا ایک غیر مسلمہ عورت خواہ کتابیہ ہی کیوں نہ ہو، اپنے مسلم شوہر کی وارث نہ ہوگی، اس قول کی دلیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک پیش کیا جاتا رہا ہے، فرمایا ہے: (لا یتوارث اھل ملتین لشیٔ لا یرث المسلم الکافر ولا یرث الکافر المسلم) حتی کہ شیعہ امامیہ و زیدیہ بھی اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ زوجہ کتابیہ اپنے مسلم شوہر کی وارث نہ ہوگی۔ (۱)

لیکن موجودہ دور میں ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ جب اسلام نے ایک غیر مسلمہ کتابیہ کے نکاح کی اجازت دے کر اُسے زوجہ بنا لینے کو جائز و صحیح قرار دیا ہے تو پھر اس کو زوجیت کے تمام حقوق کیوں نہ دیئے جائیں۔ اس کے کیا معنی کہ اس کے حق میں بعض احکام زوجیت کے منطبق ہوں اور بعض احکام منطبق نہ ہوں۔ یعنی ایک طرف مہر، نفقہ، عدت وغیرہ میں تو وہ ایک زوجہ مسلمہ کے حکم میں ہو، اور دوسری طرف جب تقسیم میراث کا مسئلہ درپیش ہو تو اُسے میراث سے محروم کر دیا جائے۔ اگر صرف اسلام نہ لانے کی وجہ سے اُسے میراث سے محروم کیا جا رہا ہے تو گویا یہ محرومی بباطن اُسے اپنا دین چھوڑ کر اسلام قبول کر لینے پر مجبور کرنے کے مترادف ہوگی حالانکہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: (لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی) دین میں جبر نہیں ہدایت و کجی دونوں واضح ہو چکی ہیں۔ (البقرہ: ۲۵۶)

---

(۱) ملاحظہ ہو فقہ حنفی میں: مبسوط جلد ۳۰ ص ۴۶-۴۸۔ فقہ شافعی میں، المہذب ج ۲ ص ۲۶۔ فقہ مالکی میں، شرح دردیر و حاشیہ دسوقی ج ۴ ص ۵۰۔ و فقہ حنبلی میں، کشاف القناع ج ۲ ص ۶۴۷۔ و المغنی ابن قدامہ جلد ۶ ص ۲۹۴۔ فقہ شیعی، شرح مفتاح الکرامہ ج ۸ ص ۱۴ و مابعد۔

جہاں تک ہمارا خیال ہے مذکورہ آیت کریمہ (لا اکراہ فی الدین قد تبیّن الرشد من الغیّ) نہ تو اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے زوجۂ کتابیہ کی وراثت کے حق میں حجت ہے اور نہ اپنے شانِ نزول وکیفیتِ نزول کے اعتبار سے آیت مذکورہ کے نزول کے متعلق مفسرین نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے قبل کسی انصاری عورت نے جس کے بچے زندہ نہ رہتے تھے یہ منت مانی تھی کہ آئندہ جو بچہ اُس کا زندہ رہے گا تو وہ اس کو یہودی بنادے گی، (چنانچہ اُس نے اس کے بعد پیدا ہونے والے بچہ کو یہود کے سپرد کردیا تھا) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے اور آپ نے یہود کے قبیلہ بنی نضیر کو جلاوطن کرنا چاہا تو یہ بچہ جو اَب نوجوان تھا اور اس کے مانند دیگر نوجوان انصاری بچے یہود میں موجود تھے جنہوں نے برضا ورغبت یہودیت اختیار کرلی تھی اور اُس پر ہی قائم رہنا چاہتے تھے، ان نوجوانوں کے والدین نے ان کو جبراً مسلمان کر کے روک لینا چاہا، اس وقت یہ آیت (لا اکراہ فی الدین) نازل ہوئی۔ اسی واقعہ کی طرح دیگر واقعات بھی اس کی کیفیتِ نزول میں منقول ہیں جس پر تمام مفسرین ومورخین کا اتفاق ہے، اس واقعہ اور واقعات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ انصار کا اپنی نوجوان اولاد کے ساتھ جو مسلمان بناکر روک لینے کا عمل تھا وہ اسلام لانے کے لئے جبر کرنے پر مبنی تھا۔ اور آیت کے شانِ نزول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جو مسئلہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی فطری غیر مسلم فرد جو عاقل وبالغ (عقلِ درایت رکھتا) ہو اس پر کسی فعل وقول سے اسلام لانے کے لئے جبر نہیں کیا جائے گا، (لا اکراہ فی الدین) بلکہ اس کو اس کی حالت اور خوشی پر چھوڑ دیا جائے گا، چنانچہ یہ یا اس سے مشابہ دوسری صورتوں میں آیت (لا اکراہ فی الدین) حجت قرار دی جا سکے گی۔

یہ تقریر اس بنیاد پر ہے کہ آیت کو محکم (اپنے حکم پر قائم) تصور کیا جائے، لیکن جن صحابہ وفقہاء تابعین کا قول یہ ہے کہ جہاد کی اجازت کی آیات کے نزول کے بعد اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا، جیسا کہ حضرت سدیؒ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہٗ کا مسلک ہے، تو ایسی صورت میں آیت مذکورہ بالا کسی مسئلہ پر حجت بننے کے قابل نہ ہوگی۔

ہم اس امر کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ مذکورہ آیت سے یہ کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ ایک یہودیہ یا نصرانیہ زوجہ کو مسلم شوہر کا وارث بنایا جائے اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس آیت کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔ آیت کا شانِ نزول اور سیاق وسباق کوئی بھی اس مسئلے سے متعلق ہونے پر نصاً یا دلالۃً یا اشارۃً یا اقتضاءً دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو آیت اس مسئلے سے بالکل غیر متعلق ہے۔

ممکن ہے کہ یہ تصور قائم کر لیا گیا ہو، کہ اگر زوجۂ کتابیہ کو اس کے مسلم شوہر کی وفات کے بعد شوہر کا وارث نہ بنایا گیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اسلام نے زوجہ کو اس لئے وارث نہ بنایا کہ وہ مسلمان کیوں نہ ہوئی اور یہ اسلام کی طرف سے زوجہ پر اسلام لانے کے لئے اس پر جبر کے مترادف ہوگا۔ حالانکہ زوجہ کتابیہ کے وارث قرار نہ دیئے سے شرع اسلام کا یہ منشاء نہیں ہے کہ اُس پر اسلام لانے کے لئے جبر کیا جائے۔ اگر یہ منشاء ہوتا تو کسی کتابیہ عورت سے اس کے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے نکاح کی اجازت ہی نہ دی جاتی جب تک کہ وہ اسلام نہ لے آئے، جیسا کہ دیگر مشرکہ عورتوں کے حق میں بھی حکم ہے، اور پھر قرآن کی اُس آیت کا جس میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح حلال ہونے کی اجازت دی گئی ہے، کوئی معنی نہیں رہتا۔ کیونکہ زوجہ کتابیہ اُسی صورت میں کتابیہ کہلائے گی جبکہ وہ اپنے دین پر بدستور قائم رہتے ہوئے ایک مسلم کی زوجیت میں داخل ہو اور بدستور اسی حالت پر رہے۔

درحقیقت زوجہ کتابیہ کے وارث نہ ہونے کا حکم اُس کے اور زوجہ مسلمہ کے فرق مراتب پر مبنی ہے، یعنی ایک مسلمان عورت کے حقوق اُس کے مسلم شوہر پر زوجۂ کتابیہ کے مقابلے میں زیادہ ہوں گے۔ اوّل الذکر زوجہ کتابیہ سے اپنے مرتبہ وحقوق میں اعلیٰ وافضل ہے، اور یہ فرق مراتب ایک ایسا امر ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب نے اس کو ملحوظ رکھا ہے، بلکہ شریعتِ اسلامیہ کے مقابلے میں اگر دیگر مذاہب کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے اکثر احکامات کو قطعی طور پر ظالمانہ عمل قرار دیا جائے گا۔

اس فرق مراتب کے سلسلہ میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ کائنات کی تمام موجودات، جمادات و نباتات تک میں فطری طور پر موجود ہے، اور اسلام نے اپنے احکام میں جابجا اس کا لحاظ فرمایا ہے، چنانچہ ایک مسلم اور ایک غیر مسلم جو دار اسلام میں امن لے کر داخل ہوا ہو، تمام حقوق میں مساوی نہیں ہوتے، اسی طرح دار اسلام کا مسلم شہری اور غیر مسلم شہری (ذمّی) کلیتہً حقوق میں مساوی نہیں ہوتے، حالانکہ دونوں ایک ہی ملک کے شہری ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر ایک شخص کے نکاح میں حرّہ (آزاد) مسلمہ ہو اور دوسری اس کی اپنی کنیز مسلمہ ہو جس کو اُم ولد بنا لیا گیا ہو یہ دونوں بھی حقوق میں مساوی نہیں ہوتیں، باوجودیکہ وہ دونوں مسلمان ہونے میں مساوی ہوتی ہیں، لیکن آزاد اور غلام ہونے کی صفت میں مختلف ہوتی ہیں جس کی بنا پر دونوں کے حقوق میں فرق ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر ایک شخص نے آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوئے کسی شخص کی مسلمہ کنیز سے نکاح کر لیا ہے تو اس کنیز کے شوہر کے حق میں وہ احکام نہیں ہوں گے جو ایک آزاد مسلمہ زوجہ کے حق میں ہوتے، حالاں کہ زوجیت اور اسلام کی صفات میں دونوں برابر ہیں۔ ایک آزاد شوہر کو آزاد زوجہ مسلمہ پر تین طلاق کا حق حاصل ہوتا ہے

اور کنیز مسلمہ پر صرف دو طلاق کا۔ آزاد زوجہ کی عدت تین حیض ہوتی ہے اور لونڈی کی عدت صرف دو حیض ہوتے ہیں۔

نیز خود اہلِ اسلام کے درمیان اس فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے (قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون) اور فرمایا ہے:۔ (ضرب لکم مثلاً من انفسکم ھل لکم ما ملکت ایمانکم من شرکاء فیما رزقناکم فانتم فیہ سواء تخافونھم کخیفتکم انفسکم) (الروم: ۲۸) یعنی ہم تمہاری ہی جانوں میں سے ایک مثال بیان کرتے ہیں، کیا تمہارے لونڈی غلام تمہارے نزدیک تمہارے اُس مال میں شریک سمجھے جاتے ہیں جو ہم نے تم کو دیا ہے، کیا تم اور وہ دونوں اُس میں برابر ہو؟ کیا (اُس مال کے حق میں) تم اُن سے اسی طرح خوف کھاتے ہو جیسا کہ اپنی ذات سے خوف لاحق ہوتا ہے؟ یعنی ایسا نہیں ہے بلکہ تم کو اُن سے اس قسم کا کوئی خوف نہیں ہوتا جس قسم کا اپنے آزاد ورثاء یا شرکاء سے ہوتا ہے، وہ تمہارے نزدیک تمہارے مال میں وہ حق نہیں رکھتے جو تمہارے اپنے جیسے لوگوں کا ہوتا ہے)۔

معلوم ہوا کہ مساواتِ حقوق مکمل طور پر اس وقت ثابت ہوگا جب کہ ایسی تمام صفات میں یکسانیت ہو جن کی یکسانیت و تفارق پر شرعِ اسلام نے حکم کی یکسانیت و افتراق کا مدار رکھا ہے، خصوصاً دینی اختلاف کو اسلام نے اپنے احکام میں ایک مخصوص درجہ دیا ہے، اور اس درجہ میں (الاسلام یَعلو، ولا یُعلی) فرمایا گیا ہے، چنانچہ ہمارے اس بیان کی وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے:۔ (اُمرت ان اقاتل الناس حتیٰ یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ، فاذا شھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ واستقبلوا قبلتنا واکلوا ذبیحتنا، وصلوا صلاتنا فقد حرمت علینا دماؤھم واموالھم الا بحقھا، لھم ما للمسلمین وعلیھم ما علیھم) [1] یعنی مجھے لوگوں سے اُس وقت تک لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، جس وقت تک وہ (کلمہ) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ پڑھ لیں، اور جب وہ اس کلمہ کی شہادت دے کر ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرنے لگیں، ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں، ہماری طرح نماز ادا کرنے لگیں، تو اب ہمارے لئے ان کے جان و مال حرام ہو جائیں گے اُن پر (کسی قسم کی غیر صحیح دست اندازی جائز نہ ہوگی) مگر یہ کہ اس کلمہ کے حق کی بنا پر ہو، (کہ کوئی ایسا جرم وجود میں آجائے جس کی سزا میں اس کلمہ کی شریعت نے جانی یا مالی سزا کا حکم دیا ہو) پھر ایسے لوگوں کے لئے (اسلام کے بعد) وہ تمام حقوق ثابت ہوں گے جو مسلمانوں کے باہم ایک دوسرے پر ہوتے ہیں، اور وہ تمام ذمہ داریاں

---

[1] سنن نسائی، ج ۲ ص ۲۲۴۔ مطبوعہ کارخانہ تجارت کراچی۔

عائد ہوں گی جو باہم ان کے درمیان عائد ہوتی ہیں) یہ حدیث دراصل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر ہے، (فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین[1]) اگر یہ (اسلام کی جانب) رجوع کریں، نماز ادا کرنے لگیں، زکوٰۃ دینے لگیں تو آپ دین میں تمہارے بھائی ہیں۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ جب تک ایک غیر مسلم مکمل طور پر اسلام قبول نہیں کر لیتا اس وقت تک اس کو وہ حقوق کاملاً حاصل نہ ہوں گے جو ایک مسلم کے دوسرے مسلم پر ہوتے ہیں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم ہونے کے باوجود بعض حالات میں اسلام کی طرف سے کچھ مخصوص رعایات دے دی جائیں۔ مثلاً معاہدہ، ذمیت وغیرہ، چنانچہ ان حالات مذکورہ کے تحت قرآن عظیم نے بذاتِ خود رعایات کا اعلان فرما دیا ہے، ارشاد ہے: (ودّوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواءً. فلا تتخذوا منھم اولیاء حتی یھاجروا فی سبیل اللّٰہ، فان تولوا فخذوھم واقتلوھم حیث وجدتموھم ولا تتخذوا منھم ولیاً ولا نصیراً الا الذین یصلون الی قوم بینکم وبینھم میثاق، او جاؤکم حصرت صدورھم ان یقاتلوکم او یقاتلوا قومھم ولو شاء اللّٰہ لسلطھم علیکم فلقاتلوکم، فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللّٰہ لکم علیھم سبیلاً[2]) یعنی غیر مسلم افراد کو یہ پسند آتا ہے کہ جس طرح وہ کافر ہیں اسی طرح تم بھی کفر اختیار کر لو، پھر تم سب برابر ہو جاؤ، پس تم اُن میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ، حتیٰ کہ (مسلم ہو کر) اپنا وطن چھوڑ آئیں اللہ کی راہ میں، پس اگر وہ اس بات کو قبول نہ کریں تو ان کو پکڑو اور قتل کرو، جہاں ان کو پاؤ اور ان میں کسی کو دوست و مددگار نہ بناؤ۔ مگر یہ کہ وہ ایسی قوم سے معاہدہ رکھتے ہوں کہ اُس قوم سے اور تم سے بھی معاہدہ ہے، یا تمہارے پاس تنگ دل ہو کر آئے ہیں، تم سے اور اپنی قوم کی جانب سے لڑنا نہیں چاہتے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اُن کو تم پر قابو دے دیتا تو وہ تم سے ضرور لڑتے، سو اگر تم سے ایک طرف رہیں پھر تم سے جنگ نہ کریں، اور تم پر صلح کی پیش کش کریں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو اُن سے جنگ کرنے کا حق نہیں دیا ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا ہے: (وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللّٰہ انہ ھو السمیع العلیم[3]) یعنی اگر وہ صلح کی جانب مائل ہوں تو آپ بھی اس جانب مائل ہو جائیں، اور خدا پر بھروسہ کریں وہ یقیناً سننے والا اور جاننے والا ہے۔ نیز فرمایا ہے: (واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء[4]) یعنی اگر تم کو کسی (غیر مسلم) قوم

---

[1] توبہ: ۱۱۔ [2] سورہ نساء: ۸۹۔ [3] سورہ انفال: ۶۱۔ [4] سورہ انفال: ۵۷۔

سے خیانت کا خوف ہو، تو ان کا عہد ان کی طرف واپس کر دو، برابر برابر (یعنی عہد کی واپسی اور رد کرنے میں تمہاری طرف سے زیادتی نہ ہو) - اور فرمایا ہے :- (الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئاً ولم یظاھروا علیکم احداً فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم ان اللّٰہ یحب المتقین[1]) یعنی جن لوگوں نے تم سے عہد کیا ہو، اور پھر اُنھوں نے اس عہد میں کوئی قصور نہ کیا، اور تمہارے مقابلے میں کسی غیر کی مدد نہ کی، تو تم ان کے لئے ان کے عہد کو پورا کرو، اس عہد کی مدت تک، بے شک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو پسند فرماتا ہے، -- اور فرمایا ہے :- (وان احد من المشرکین استجارک، فاجرہ حتیٰ یسمع کلام اللّٰہ ثم ابلغہ مامنہ[2]) یعنی اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ (امن) طلب کرے تو آپ اس کو پناہ دے دیں، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سُن لے، پھر اُس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں۔

مذکورہ بالا آیات میں غیر مسلموں کے اُن حقوق پر روشنی ڈالی گئی ہے جو مسلمانوں سے تعلقات پیدا ہونے پر اُن کو دیئے گئے ہیں، چنانچہ ایک وہ قوم ہے جو مسلمانوں سے جنگ و جدال پر آمادہ ہو اور اپنے اس طرز میں کسی طرح تغیر کرنے پر آمادہ نہ ہو، اس کے لئے اسلام میں کسی قسم کی رعایت نہیں رکھی گئی ہے، دوسری وہ غیر مسلم قوم ہے جس نے مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا ہو یا مسلمانوں سے تعاون کا معاہدہ کر لیا ہو، تیسری وہ قوم جو مسلمانوں کے معاہدین کے معاہد ہیں اور معاہدین کے طرز پر ان کا عمل ہے، اُن سے جا ملے ہیں۔ یا غیر جانب دار رہنا چاہتے ہیں نہ غیر مسلم قوم کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرنا چاہتے ہیں اور نہ مسلمانوں کے ساتھ تعاون سے غیر مسلموں کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان تینوں آخری قسموں کو یہ رعایت دی گئی ہے کہ اہلِ اسلام ان سے کوئی تعارض نہ کریں، اور اگر صلح جوئی کے خواہش مند ہوں تو ان کی خواہش پوری کی جائے، چوتھی وہ قسم ہے کہ معاہدے کے بعد اس معاہدے کو توڑ کر اس کی خلاف ورزی کرے، چنانچہ ان کے ہمراہ ان جیسا ہی عمل کیا جائے بغیر کسی کمی اور زیادتی کے، لیکن اگر وہ معاہدے پر قائم رہیں تو جتنی مدت کے لئے معاہدہ کیا گیا ہے اس کو پورا کیا جائے، اور کسی قسم کی خلافِ معاہدہ کارروائی نہ کی جائے، پانچویں وہ لوگ جو مسلمانوں سے اپنے حق میں امن لے لیں اُن کو امن دیا جائے اور حالتِ امن میں مسلمانوں کی طرح مامون سمجھے جائیں۔

ہمارے اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ غیر مسلم قوم کے مختلف حالات و کیفیات کے اعتبار سے مسلمانوں پر ان کے مختلف مخصوص قسم کے حقوق عائد ہو جاتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ باوجود اختلافِ دین کے کسی معاہدے صلح یا امن کے سبب ان کو وہ تمام حقوق دیئے گئے ہوں جو مسلمانوں کے باہم ایک دوسرے پر ہوا کرتے ہیں۔

---

[1] سورہ توبہ: ۴۔ [2] سورہ توبہ: ۶۔

اسی فرقِ مراتب کی بنیاد پر قرآن کریم نے ایک آزاد اور کنیز کے حقوق میں، صفت آزادی و کنیزی کے اختلاف کی وجہ سے اس طرح تفریق فرمائی ہے:۔ (ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات المؤمنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض ط فانکحوھن باذن اھلھن واٰتوھن اجورھن بالمعروف محصنات غیر مسافحات ولا متخذات اخدان ط فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب - الآیہ) یعنی جو شخص تم میں کسی آزاد حرّہ عورت سے نکاح کی طاقت نہیں رکھتا (کیونکہ اس کے حقوق کا پورا کرنا اپنی طاقت سے باہر خیال کرتا ہے) تو پھر نوجوان مومن کنیزوں سے نکاح کرے، اللہ تعالیٰ تمہارے مومن ہونے کو جانتا ہے، تمہارے بعض افراد دوسرے بعض ہی جیسے ہیں، اور ان کنیزوں کے نکاح میں جو کچھ بطور مہر کے مقرر کیا ہو خوبی کے ساتھ دے دو، ان کنیزوں سے بدکاری کی یا داشتہ بنانے کی نیت سے کوئی عمل نہ کرو، اور جب نکاح کے ذریعہ یہ محصنہ ہو جائیں۔ اور پھر اس کے بعد ان سے بدکاری کا عمل وجود میں آ جائے تو ان کو آزاد مسلمہ عورتوں کی سزا کے مقابلے میں نصف سزا دی جائے۔

چنانچہ اس آیت میں متعدد ہدایات دی گئی ہیں جن کے منجملہ ہمارے موضوع سے متعلق ایک یہ ہے کہ چونکہ آزاد عورت (زوجہ) کے حقوق ایک کنیز زوجہ کے مقابلے میں کم ہوتے ہیں اور آزاد زوجہ کی جانب سے جو ذمہ داری شوہر پہ عائد ہوتی ہے ایک کنیز کی جانب سے وہ ذمہ داری شوہر پہ عائد نہیں ہوتی اس لئے آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھنے پر کسی دوسرے شخص کی لونڈی سے نکاح کر لو تاکہ تمہارے لئے سہولت کا باعث ہو، اس صورت میں ایک آزاد عورت اور ایک کنیز اگرچہ مسلمہ اور زوجہ ہونے کی صفت میں یکساں ہیں لیکن آزادی اور کنیزی کی صفت کے اختلاف سے ان کے حقوق میں زیادتی و کمی رکھی گئی ہے، چنانچہ ایک آزاد عورت کے مہر کے مقابلے میں ایک کنیز کا مہر بہت معمولی درجہ کا مقرر کیا جائے گا، اسی طرح نفقہ میں دونوں کے بڑا تفاوت ہوگا حتیٰ کہ بدکاری کی سزا میں اسے ایک آزاد عورت کے مقابلے میں نصف سزا دی جائے گی طلاق کی صورت میں صرف دو حیض کی عدت ہوگی، تین طلاق کی بجائے شوہر صرف دو طلاق کا مالک ہوگا اور دو طلاق سے ہی لونڈی مغلظہ کے درجہ کو پہنچ جائے گی۔

معلوم ہوا کہ ایک کتابیہ عورت ایک مسلمہ کی طرح اگرچہ زوجیت کی صفت میں یکسانیت رکھتی ہے، لیکن چونکہ اس کا دین شوہر کے دین سے مختلف ہے، اس لئے صفت زوجیت کے اتحاد کی بنا پر اس کو بعض مخصوص قسم کے حقوق دیئے جائیں گے اور اختلافِ دین کی بنا پر بعض حقوق سے محروم رہے گی۔ چنانچہ نفقہ، عدت، طلاق، حضانت جیسے حقوق حاصل ہوں گے، لیکن شوہر کا اس کے نکاح سے محصن ہونا یا زوجہ کا وراثت پانا جیسے حقوق حاصل نہ ہوں گے، جس کی وجہ محض فرقِ مراتب بر بنا فرقِ صفات ہوگی۔ واللہ الحمد۔